

بر عظیم پاک و ہند کا صوفیانہ تفسیری ادب

عاصم نعیم*

Purification of Souls is one of the core tasks assigned to the Holy Prophet by Al-mighty Allah as vividly mentioned in the Quran on four different places. Purification of Souls has been named as Ihasan in the traditions of Holy Prophet. The Quran has called it Piety, Fear of God and Colour of Allah. This aspect of prophetic mission was termed later as Tasawwuf in Islamic episteme. The religious scholars who devoted themselves for Tasawwuf were called Sufia added commendable knowledge to the science of exegesis, when a Sufi contemplate upon the Quranic verses, he is bestowed by some Gnostics about the meanings that are apparently not related to direct or indirect meanings of Quranic verses. These unique meanings are not against the considered meanings of Quran that had been narrated by other exegesis but are according to agreed principals of exegesis. Sufia have never deviated from the consensus meanings of Quran. However some astray sufia have delivered some objectionable elucidations that have been categorized under Tafseer bir Raiay (False exegesis). However they are not in considerable number. It is interesting that the 'first exegesis' book was written by a Sufi in subcontinent. Later a lot of books were written by many Sufia in this field. This article deals with primary information about unique way of Qur'anic interpretation by Sufia and its development in subcontinent.

قرآن پاک کا نزول اس وقت ہوا جب دنیا شرک، کفر اور بت پرستی کے اندھیروں میں گم ہو چکی تھی۔ انسان خود پرستی، کبر و نخوت، ظلم و جور اور زر پرستی میں مبتلا تھا۔ اس پر آشوب، بے یقین، فساد سے بھرپور اور دوسلوں کے دور میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہادی کو مبعوث فرمایا جس کے فرائض منصبی میں اپنے بھیجے والے کے کلام کی تعلیم اور نفوس انسانی کی تہذیب اور تزکیہ شامل تھا تا کہ وہ اس رب کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اول، آخر، ظاہر اور باطن ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس فریضہ کی انجام دہی شروع کی تو وہ مخاطبین جن کی اخلاقی حالت کے تذکرے، تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں اس بلند مقام تک جان پہنچے جو نوع انسانی میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد

انہی کا خاصہ اور امتیاز ہے۔ اس تزکیہ اور تہذیب کی تاکید جا بجا قرآن و سنت میں ملتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾ ۱

جب نفس انسانی مزکی اور مہذب ہو جائے اور معبود کے ساتھ اپنی عبدیت کے تعلق کو پہچان لے تو اس سے عبودیت کے اس تعلق میں انتہائی اخلاص کا تقاضا کیا جاتا ہے جس کو حدیث و سنن میں احسان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

(الْحُسْنُ) اَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَمَا نَكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ . ۲

پس یہی تزکیہ اور احسان دین کا ماحصل ہے جو عصر نبوت و صحابہ میں موجود تھا جس کو بعد کے ادوار میں تصوف کا نام دیا گیا۔ نبی مہربان ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں یہ فن اپنے موجودہ نام کے ساتھ اس لیے موجود نہیں تھا کہ اس دور میں جس طرح دین کے دوسرے شعبوں تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کے نام اور اصطلاحات وضع نہ ہوئی تھیں، ہر چند کہ ان کے اصول و کلیات موجود تھے، یہ شعبہ بھی موجود تھا لیکن انہی شعبوں کی طرح کوئی مستقل نام نہیں رکھتا تھا اور پھر ”صحابی“ کے لفظ میں جو عزت اور شرف ہے، وہ کسی اور لفظ کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتا وہ لفظ چاہے صوفی اور غوث ہو، مفسر، فقیہ یا محدث ہو۔

چنانچہ جب دور نبوی ﷺ سے بعد ہوتا گیا اور وہ صالح معاشرہ جس کی تربیت نبی ﷺ نے خود کی تھی اس میں وسعت آنا شروع ہوئی اور دوسری اقوام سے میل جول بڑھا تو دوسرے علوم و فنون (تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ) کی ترتیب و تدوین کے پہلو پہ پہلو اس فن کے حاملین نے بھی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے تزکیہ اور احسان کے حصول کے وسائل و ذرائع کو ایک نظام کی شکل دے دی۔

لہذا لغت کے اعتبار سے تصوف کی اصل خواہ صوف، صفا، صفہ یا صوفیا ہو، اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا اہم شعبہ ہے جس کی ٹھوس علمی بنیادیں قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ اس کی غایت اور مقصد تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الہی ہے۔ قرآن میں اسے تقویٰ، تزکیہ اور خشیۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث و سنت میں احسان سے موسوم کیا گیا ہے۔

تزکیہ و احسان کے ثمرہ کے طور پر جب ایک مومن کا قلب رزائل سے پاک ہو کر فضائل سے مزین ہو جاتا ہے تو اس قلب سلیم کو اپنے معبود کے ساتھ نسبت اور وصول کی دولت حاصل ہو جاتی ہے اور اس

قلبِ سلیم پر علوم اور معارف کا القاء کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک صوفی جب کلامِ الہی کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر براہِ راست ایسے نکات و معارف کا لقاء ہوتا ہے جس کی اس آیت کے ظاہری معنی و مفہوم سے بظاہر مطابقت معلوم نہیں ہوتی لیکن ان میں جمع و تطبیق ممکن ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے تفسیر قرآن کے سلسلے میں جہاں اہل علم کے ہاں کئی مناجح موجود ہیں وہاں ایک منج صوفیانہ تفسیر کا بھی ہے جس میں ایک صوفی کلامِ الہی کی ظاہری تفسیر، جس پر شریعتِ اسلامیہ کی بنیاد ہے کو مرکز و محور بناتے ہوئے ایسے علوم و معارف بیان کرتا ہے، جو مطالعہ قرآن کے دوران اس کے قلب پر منکشف ہوتے ہیں اور اس کے وجدانی استنباطات کا ثمر ہیں۔ الفاظِ قرآنیہ پر غور و فکر کے دوران صوفیا کا قلب جب ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف عبور کرتا ہے تو اس وقت یہ لطائف و نکات ان کے قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ ہر شخص کا مذاق اس میں جداگانہ ہے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے علوم و معارف وہ قبول ہوں گے جن کو شریعت رد نہ کرے۔

ابوسلیمان دارانی کا قول ہے:

”ربما يقع في قلبي النكتة من نكت القوم ايا ما فلا اقبل منه الا بشاهدين

عدلين الكتاب والسنة.“ ۳

جب کبھی گروہ صوفیاء کے نکات میں سے کوئی نکتہ میرے قلب پر وارد ہوتا ہے تو میں اسے کتاب و سنت کے دو عادل گواہوں کے بغیر قبول نہیں کرتا ہے۔

صوفیاء کرام کے ان رموز وارشادات کی وضاحت مندرجہ ذیل مثال سے ہوتی ہے۔ ارشادِ بانی ہے:

﴿اِذْهَبْ اِلَى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰى﴾ ۴

جس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی سرکشی پر اس کے ہاں جانے کا کہا جا رہا ہے۔

چنانچہ حضرات صوفیاء نے اس آیت کے ذیل میں لکھا کہ:

اذھب یا روح الی النفس جاھدھا انھا قد طغت.

”اے روح! نفس کی طرف جا اور اس سے جہاد کر کہ وہ حد سے نکلا جا رہا ہے۔“

لہذا یہاں پر اس آیتِ قرآنیہ کا حقیقی مدلول تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ہی ہے کہ جس کا اعتراف حضرات صوفیاء بھی کرتے ہیں۔ لیکن محض نظیر اور تشبیہ کے طور پر انہوں نے بیان فرمادیا کہ اس آیت سے یہ مفہوم بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان کے اندر بھی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مشابہ دو چیزیں روح اور نفس ہیں، یعنی ایک داعی الی الخیر اور دوسری داعی الی الشر۔ پس تو اپنی روح جو داعی الی الخیر ہے کو اپنے نفس جو داعی

الی الشر ہے پر غالب کر کہ وہ نفس حد سے نکلا جا رہا ہے اور احکام الہی کی بجا آوری میں کوتاہی کر رہا ہے۔ لہذا مذکورہ صدر مثال جیسے نکات و معارف ہیں جو صوفیائے کرام کے قلوب پر مطالعہ قرآن کے دوران منکشف ہوتے ہیں۔

صوفیاء کرام کے بیان کردہ ان لطائف و نکات کو تفسیر صوفیاء، تفسیر فیضی، تفسیری اشاری اور علم الاعتبار کی اصطلاحات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آیات قرآنیہ کی اشاری تفسیر صرف صوفیاء نے ہی نہیں کی بلکہ صحابہ کرامؓ کے ہاں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔

چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ کے معانی و مفاہیم کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے استفسار کیا تو کچھ صحابہؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حمد و استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ نے سکوت فرمایا جبکہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس میں نبی مہربان ﷺ کے وصال کے بارے میں اطلاع دی گئی ہے۔ اسی طرح اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ..... الخ سے حضرت عمرؓ نے بھی وصال محمدی ﷺ کے معانی ہی اخذ کیے تھے۔

لہذا ان دلائل کی مدد سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی باطنی معانی سے دانش و بصیرت کی خصوصی اور خدا داد صلاحیت رکھنے والے ہی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کے عجائب ختم نہ ہونے اور سیدنا علیؓ کے فرمان کہ چاہوں تو الحمد کی تفسیر سے ستر اونٹ بھروں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قرآن کے باطنی مفہوم میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے۔

فہم قرآن میں ہر کسی کا ذوق اور فہم ایک جیسا نہیں ہو سکتا اور اسی بنا پر حضرات صوفیاء کے اشارات ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ چنانچہ بعض حضرات نے تفسیر صوفیاء کو فرقہ باطنیہ کی باطل تاویلات سے خلط ملط کر کے ان پر طعن و تشنیع کی ہے۔ جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ باطنیہ نے الفاظ قرآنیہ کے حقیقی معانی کو کسی دلیل اور قرینے کے بغیر دوسرے معانی پر محمول کیا ہے۔ ان کی دعوت کا سارا زور اس بات پر ہے کہ قرآن و سنت کے کچھ ظاہری معانی ہیں جن کی حیثیت چھلکے اور پوست کی سی ہے۔ جہلاء صرف ان ظاہری معانی کو جانتے ہیں اور حقائق کو صرف عقلاء جانتے ہیں، جو رموز و اشارات ہیں اور ان کا علم صرف اہل اسرار کو ہے۔ یہ تحریف دین کا ایسا راستہ ہے کہ اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو عقائد دینیہ اور احکام شرعیہ تبدیل ہو جائیں گے۔

اسی طرح وہ مبتدعین جو کلام الہی کے معانی بیان کرنے میں جمہور کے ہاں موجود مسلمہ اصول و قواعد کی پابندی نہیں کرتے۔ ان کی تاویلات بھی گمراہی کا باعث بنتی ہیں۔ ان میں کچھ غالی متصوفین بھی شامل ہیں کہ

جن کے بیان کردہ نکات کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ قبل ازیں اسی بحث میں ابوسعید دارانی کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ نکات و معارف وہ مقبول ہیں جن کی تائید کتاب و سنت سے ہو جائے۔ اگر قرآن مجید کو فرقہ باطنیہ اور مبتدعین کی طرح من مانی تاویلات کا نشانہ بنایا جائے تو پھر یہ کتاب، ہدایت کے بجائے گمراہی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ جبکہ محققین صوفیانہ جمہور کے نزدیک کلام الہی کے معانی متواترہ اور مفہیم متواترہ سے انکار نہیں کیا بلکہ احکام شرعیہ اور قرآن حکیم کی ظاہری تفسیر کو مرکز و محور بناتے ہوئے ایسے نکات بیان کیے ہیں جو ان کے قلوب پر وارد ہوئے ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کلام الہی کی تفہیم و تعبیر میں اس علم کی مسلمہ اہمیت کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ موضوع اپنی اہمیت کے پیش نظر جس توجہ کا متقاضی تھا وہ اس کو نہ مل سکی۔

صوفیا کی تفاسیر جہاں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں اور علم تفسیر کے ارتقاء میں ایک خاص پہلو کی نشاندہی کرتی ہیں وہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صوفیا کی تفسیر اصلاح باطن، تزکیہ نفس اور ازالہ رذائل کی اہمیت اور عملی زندگی میں ان کی ضرورت کو اجاگر کرنے کا ذریعہ ہے اور انسانی معاشرہ کبھی بھی اس ضرورت سے مستغنی نہیں ہو سکتا ہے۔ محققین صوفیانہ کے منہج تفسیر سے انہی کے حصول میں مدد ملتی ہے۔

زیر نظر مقالہ میں برصغیر کی چند منتخب صوفیا کی تفاسیر کے منہج کو بیان کیا جائے گا۔ ان کی ادبی، لسانی اور دیگر خصوصیات کا ذکر کیا جائے گا۔

برصغیر میں صوفیاء کرام و اولیاء عظام کا سلسلہ تبلیغ دین بڑی کامیابی اور جوش و خروش کے ساتھ تقریباً ایک ہزار سال تک جاری رہا جس کے نتیجے میں یہ خطہ نور اسلام کی تابانیوں سے روشن و منور ہو گیا۔ ان صوفیاء کرام کی خانقاہیں، مساجد اور مدارس تعلیم و تربیت کے نہایت اہم مراکز تھے۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ حاکمان وقت اور امراء و رؤساء ان مراکز میں بڑے ادب سے حاضر ہوتے اور مشائخ کرام انہیں پند و نصائح سے نوازتے۔ ان صوفیاء میں سے اکثر اصحاب لوح و قلم تھے۔ انہوں نے اپنے مریدین کی تعلیم و تربیت کے لیے انتہائی اعلیٰ درجے کی کتب تصنیف کیں۔ کئی دانش مند مریدوں نے اپنے مشائخ کے ملفوظات و ارشادات کو قلم بند کیا۔

برصغیر کے مقدم صوفی مفسرین میں شیخ محمد بن احمد شریکی (م ۶۸۴ھ)، شیخ محمد بن یوسف حسینی گیسودراز (م ۸۲۵ھ)، شیخ علی بن احمد مہانگی (م ۸۲۵ھ)، قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۸۴ھ)، شیخ حسن محمد احمد آبادی گجراتی (م ۹۸۲ھ)، شیخ یعقوب صرئی کشمیری (م ۱۰۰۳ھ)، شیخ

منور بن عبد الحمید لاہوری (م ۱۰۱۱ھ)، شیخ غلام نقش بند گھوسوی (م ۱۱۲۶ھ)، ملا جیون ایٹھوی (م ۱۱۳۰ھ)، شیخ علی اصغر قنوجی (م ۱۱۴۰ھ)، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (م ۱۱۴۱ھ)، قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) اور شیخ نظام الدین تھانیسری وغیرہم شامل ہیں۔

برصغیر میں مختلف علوم و فنون کی طرح فن تفسیر کا آغاز بھی قدما کی تصانیف پر شروع و حواشی سے ہوا۔ اور یہ بات اہم اور لائق توجہ ہے کہ ہندوستان میں فن تفسیر کی ابتدا تصوف کے زیر اثر ہوئی، چنانچہ یہاں سب سے پہلے لکھی گئی تفسیری تصنیف خالص اسی مقصد کے تحت لکھی گئی۔

۱۔ تفسیر کا شرف الحقائق و قاموس الدقائق از شیخ محمد بن احمد شریکی مریکلی

شیخ محمد بن احمد شریکی مریکلی (م ۱۲۸۵ھ/۶۸۳ھ) کی تفسیر ”کاشف الحقائق و قاموس الدقائق“ برصغیر میں لکھی جانے والی سب سے پہلی تفسیری تصنیف ہے۔ اس کے مصنف عہد سلطنت میں غیاث الدین بلبن کے دور کے صاحب ورع عالم اور بلند پایہ مفسر و محدث تھے۔ ۵

آپ کے استاد شیخ برہان الدین محمود بلخی نے امام فقہ صاحب ہدایہ امام مرغینانی سے فقہ اور امام حدیث صاحب مشارق الانوار امام حسن بن محمد صفائی لاہوری سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ آپ کے تلامذہ میں سرفہرست شیخ نظام الدین اولیا ہیں جنہوں نے مولانا شریکی سے ”مشارق الانوار“ پڑھی اور اس کو حفظ کر لیا۔ ۶

تفسیر کی چند خصوصیات:

اس کی بنیادی خصوصیت تو یہی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں ایک ہندی نژاد مصنف کی یہ سب سے پہلی مکمل تفسیر ہے۔ اس کا ایک عمدہ نادر مکمل نسخہ مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کے مصنف امام بیضاوی (م ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء) کے معاصر ہیں اور تفسیر بیضاوی کی طرح اس میں بھی ابتدا میں تفصیلی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے اور آہستہ آہستہ مختصر ہوتا گیا ہے۔

یہ از اول تا آخر نہایت فصیح عربی زبان میں ہے۔ اس کی زبان بہت سلیس اور سہل ہے، عبارت میں عربی اصول و قواعد کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ ذیل میں اس کی تفسیر کا ابتدائی خطبہ درج کیا جاتا ہے جس سے مؤلف کی عربی زبان پر قدرت اور تفسیر کے اصول و منہج کا بھی اندازہ ہوگا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيَّ حَبِيبِهِ الْقُرْآنَ وَجَعَلَهُ هَادِيًا إِلَيَّ

ذَقَائِقِ لَاهِلِ الْعِرْفَانِ وَ أَوْدَعَ فِيهِ لَطَائِفَ أَسْرَارِهِ لَمْ يَطْلُعْ عَلَيْهَا إِلَّا مَنْ كَانَ
جَدِيرًا لِّلْعَتَبَةِ دَارِهِ وَ تَقَدَّسَتْ ذَاتُهُ وَ صِفَاتُهُ عَنِ الْكُونِ وَ الْفَسَادِ وَ تَنَزَّهَ
وُجُودُهُ عَمَّا يَصِفُهُ أَهْلُ الْحُلُولِ وَ الْإِتِّحَادِ وَ تَوَحَّدَ لَجَلَالِهِ عَنِ الْمَشَابَةِ وَ
الْحَدَثَانِ وَ الصَّلَوةُ وَ السَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ خَيْرِ الْأَنَامِ وَ آلِهِ
وَ أَصْحَابِهِ هُدَاةِ الْإِسْلَامِ جَعَلَهُ بَيْنَ سَائِرِ الْمَظَاهِرِ مَظْهَرًا جَامِعًا وَ
كَالشَّمْسِ بَيْنَ الْكَوَاكِبِ لَامِعًا. أَمَّا بَعْدُ، فَيَقُولُ أَضْعَفُ عِبَادِ اللَّهِ الْمُتَجَدِّ
مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ الشَّرِيفِيِّ الْكِنْدِيُّ ثُمَّ التَّهَانِيْسَرِيُّ ثُمَّ
الْكُجَرَاتِيُّ أَصْلَحَ اللَّهُ شَانَهُ وَ صَانَهُ عَلَى شَانِهِ وَ غَفَرْلَهُ وَ لَوِ الْإِدْنِيهِ وَ أَنْعَمَ
عَلَيْهِمَا وَ عَلَيْهِ بِمَا لَدَيْهِ. ے

(تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس نے اپنے حبیب پر قرآن نازل فرمایا اور
اس کو اہل عرفان کے لیے اسرار و رموز کی واقفیت کا رہبر بنایا اور اس میں ایسے لطیف اسرار سمو دیے
جن کی یافت اسی کو ہو سکتی ہے جو اس کے در کا اہل ہو، اس کی ذات و صفات کون و فساد سے پاک،
خیالات سے منزہ، اس کی وحدانیت کون و مکان سے بے نیاز اور اس کا جاہ و جلال مشابہت اور فنا
سے بے داغ ہے اور صلوة و سلام ہو اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ پر جو سارے انسانوں میں برتر
اور افضل ہیں اور ان کے آل و اصحاب پر جو اسلام کے ہادی و رہبر ہیں اللہ رب العزت نے
آپ ﷺ کو سارے مظاہر کا ایک مظہر جامع اور کواکب کے درمیان ایک چمکتا سورج بنایا، اس کے
بعد اللہ کا یہ ناتواں بندہ محمد بن احمد بن محمد شریحی کنڈی ثم تھانسیری گجراتی عرض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس
کا حال درست رکھے اور اس میں استقامت بخشے اور اس کی اور اس کے والدین کی مغفرت فرمائے
اور اپنے انعامات سے ہم تمام کو نوازے)

یہ تفسیر جس زمانہ میں لکھی گئی اس وقت ہندوستان میں تصوف کا دور دورہ تھا اور خود مصنف بھی اسی طبقہ
سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے اس میں تصوف کا اثر پورے طور پر نمایاں ہے بلکہ یہ تفسیر اسی مکتب فکر کی ترجمانی
اور تشریح کے جذبے سے لکھی گئی ہے جس کا ذکر مصنف نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

لما كانت اكثر التفاسير مملوءة بفوائد او بقواعد العربية و الشريعة و لم

يكن تفسير حاوياً لدقائق الطريقة و الحقيقة بحيث يكون احسن تحريراً
و اصلح تقريراً اردت ان اكتب تفسيراً موجزاً شاملاً لا سرار الالهيات
كما شفا لما في القرآن من الله قيات. هادياً الى طريق الرشاد موصولاً الى
سبيل السداد. ٨

(اکثر تفسیروں میں عربی قواعد اور امور شریعت تو کثرت سے بیان کیے گئے ہیں مگر کوئی تفسیر
ایسی موجود نہ تھی جس میں موثر انداز میں طریقت و حقیقت کے نکات کا ذکر کیا گیا ہو، اسی لیے میں
نے ایک مختصر تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا جو لہیات کے اسرار و رموز پر مشتمل اور قرآنی تطبیقات پر محیط ہو اور
جو رشد و ہدایت کو عام کرے اور راہ راست کی رہبر بن سکے)
اس تفسیر کی تصنیف میں قدیم تفسیروں سے مدد لی گئی ہے اور متعدد مقامات پر مصنف نے خود بھی لطیف
نکتے بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

وَ أَخَذْتُ مِنْ بَعْضِ التَّفَاسِيرِ بَعِيْنِ الْكَلَامِ الْمَنْقُولِ وَقُلْتُ فِي أَكْثَرِ مَوَاضِعِ
لَطَائِفِ مَنِي لَمْ يَطْلُعْ عَلَيْهَا ذَوْي الْعُقُولِ. ٩
(میں نے بعض تفسیروں کی عبارتیں بعینہ نقل کر دی ہیں اور اکثر مقامات پر اپنے ذاتی نکات
بھی بیان کیے ہیں جن کا اہل دانش کو پتہ نہیں تھا)

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کے بیان کے مطابق اس تفسیر میں متعدد اکابر صوفیہ، مثلاً ابن عطا، حسن بصری،
علامہ دینوری، امام قشیری، مولانا جلال الدین رومی، شمس تبریزی اور شیخ سعدی وغیرہ کے اقوال بھی درج کیے
گئے ہیں۔ ۱۰

۲۔ تفسیر ملقط از شیخ محمد بن یوسف حسینی گیسو دراز

مفسر موصوف کا نام سید محمد، کنیت ابوالفتح اور القاب، صدر الدین، الوالی الاکبر اور الصاوق ہیں۔ علاقہ
دکن میں خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۱

گیسو دراز کے لقب کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار وہ اپنے مرشد شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کی پاکی
مریدوں کے ساتھ اٹھائے چل رہے تھے۔ ان کے بال بڑے بڑے تھے۔ وہ پاکی میں الجھ گئے مگر اس حالت
میں بھی وہ پاکی کو کندھے پر لیے دور تک نکل گئے جب شیخ نصیر الدین کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی محبت

اور عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور برجستہ یہ شعر پڑھ کر انہیں گیسودراز کا لقب دیا۔ ۱۲

ہر کہ مرید سید گیسودراز شد

واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

اس کے بعد سے وہ گیسودراز کے لقب سے اس طرح مشہور ہوئے کہ یہ ان کے نام کا جزو بن گیا۔

شیخ گیسودراز کے والد سید یوسف حسینی، خواجہ نظام الدین اولیاء کے ارادت مندوں میں سے تھے۔

جبکہ آپ کے نانا شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ ۱۳

آپ کی ولادت ۴/ رجب ۷۲۱ھ/ جولائی ۱۳۲۱ء کو دہلی میں ہوئی۔ آپ کی عمر ابھی چار برس تھی کہ سلطان محمد تغلق نے دیوگیر (دولت آباد) کو پایہ تخت بنا کر دہلی کے اصحاب علم و فضل اور عام باشندوں کو وہاں منتقل ہونے کا حکم دیا، چنانچہ شیخ گیسودراز کو بھی اپنے خاندان کے ہم راہ دولت آباد جانا پڑا۔

شیخ گیسودراز کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد اور نانا کی آغوش میں ہوئی۔ اور وہیں سے ان کے دل میں بزرگوں کی محبت اور شیفٹنگی کا جذبہ پیدا ہوا۔ پھر باقاعدہ ایک استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے پندرہ سال کی نوعمری میں مصباح اور قدوری تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۴

شیخ گیسودراز کو بزرگوں سے محبت و عقیدت ورثہ میں ملی تھی، وہ شیخ نظام الدین اولیاء کی زیارت سے تو محروم رہے مگر ان کے خلیفہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے شرف ملاقات کے لیے بے چین رہتے تھے، دولت آباد سے دہلی کی دوری اس میں مانع تھی، شیخ گیسودراز جب پندرہ سال کے ہوئے تو آتش شوق اور بھڑک انھی اور اتفاق سے اس کا سامان بھی ہو گیا۔ دہلی پہنچ کر شیخ گیسودراز نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد سلطان قطب الدین گئے۔ یہ مسجد اندروان سرائے تھی۔ وہ ابھی مسجد کے صحن میں ہی بیٹھے تھے کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی مسجد میں داخل ہوئے، شیخ گیسودراز ان کے چہرہ مبارک کے جمال و انوار کو دیکھ کر مسحور ہو گئے اور دل میں سوچا کہ کاش یہی شیخ نصیر الدین ہوتے۔ تحقیق حال سے جب پتہ چلا کہ یہی شیخ نصیر الدین دہلوی ہیں تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ غرض رجب ۷۳۶ھ/ فروری ۱۳۳۶ء کو آپ سے بیعت ہو گئے۔ ۱۵

شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے بیعت ہونے کے بعد وہ سلوک کی وادی میں گامزن ہونا چاہتے تھے مگر ان کے شیخ نے ان کو حکم دیا کہ وہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں۔ ۱۶

چنانچہ انہوں نے درسیات کی بعض کتابیں مولانا شرف الدین کیتھلی اور بعض مولانا تاج الدین مقدم

سے پڑھیں اور اس دوران اپنے پیرو مرشد سے بھی تعلق رکھتے رہے چنانچہ تعلیم کے ساتھ ذکر و مجاہدہ کا معمول بھی جاری تھا۔ انیس (۱۹) سال کی نوعمری میں وہ تحصیل علم سے فارغ ہو گئے اور اس کے بعد مجاہدہ و ریاضت کی جانب مکمل توجہ مبذول کی اور انتہائی سخت ریاضتیں کر کے اپنے مرشد کے اس درجہ مقرب بن گئے کہ ان کے انتقال کے بعد متفقہ طور پر ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ ۷۱

شیخ دہلی میں تقریباً ۶۵ برس مقیم رہے۔ گلبرگہ میں بھی قیام رہا، ان سے عقیدت و تعلق کی بنا پر حکام نے اپنے عہد حکومت میں پورے خطہ دکن میں احکام شریعت کی ترویج پر خاص توجہ کی۔

شیخ گیسو دراز کو کافی لمبی عمر نصیب ہوئی، دہلی ہی میں وہ ۸۰ بس کی عمر کو پہنچ چکے تھے، ۱۶- ذی قعد، ۸۲۵ھ / یکم نومبر ۱۴۲۲ء کو اشراق و چاشت کے درمیان وفات پائی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ایک سو چار سال سے زائد تھی۔ ۱۸

مشائخ صوفیہ میں گیسو دراز کو اس بناء پر یک گونہ برتری حاصل ہے کہ انہوں نے مختلف علوم و فنون میں بہ کثرت کتابیں لکھیں، وہ اپنی کتابوں اور رسالوں کو املا کراتے تھے۔ عام تذکرہ کی کتابوں میں ان کی تصنیفات کی تعداد ۱۰۵ بتائی گئی ہے۔ ۱۹

زیر نظر مضمون میں ان کی تفسیر قرآن، مسمیٰ بہ ”تفسیر ملقط“ کی علمی و ادبی حیثیت کو بیان کیا جائے گا۔ شیخ گیسو دراز کی تفسیر کا ذکر محمد علی سامانی نے متعدد مقامات پر کیا ہے، ان کے بیان کے مطابق اس تفسیر کا باقاعدہ درس شیخ گیسو دراز کی مجلس میں ہوتا تھا اور ان کے فرزند اکبر سید محمد اکبر نے اس کی شرح بھی لکھی تھی، مگر یہ شرح نایاب ہے۔ تفسیر ملقط دو جلدوں میں انڈیا آفس لندن اور ہند کے بعض دیگر شہروں کے کتب خانوں محفوظ ہے۔

یہ تفسیر ہندوستان کی ابتدائی تفسیروں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری کتابوں میں بھی قرآن مجید کی مختلف آیتوں کی تفسیریں ملتی ہیں جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو قرآن مجید اور تفسیر سے خاص شغف تھا۔ ذیل میں ان کے بعض نمایاں تفسیری خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

الف- صوفیانہ نقطہ نظر سے قرآن مجید کی تفسیر:

شیخ گیسو دراز کے طریقہ تفسیر کا یہ نمایاں وصف ہے اور ان کی تفسیر کی ایک اہم خصوصیت بھی یہی ہے کہ اس میں اہم صوفیہ کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ وہ سورۃ الحجرات کی آیت: **وَالْأَرْضُ مَدَدُنَا وَالْقَيْسُ فِيهَا رَوَّاسِي وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ**۔ (۲۰) اور زمین کو ہم نے پھیلا یا اور رکھ دیے اس پر

بوجھ) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”نفوس عابدین ارض عبادت، قلوب عارفین ارض معرفت اور ارواح مشتاقین ارض محبت ہیں، امید و بیم پہاڑ ہیں، کہا جاتا ہے کہ اولیا اوتاوارض ہیں جن کے ذریعہ اللہ مخلوق سے بلاؤں کو دور کرتا ہے، وہ غیاث عالم ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علما پہاڑ ہیں جن سے شریعت کا قیام و بقا ہے۔ علما اصول دین کے اور فقرا نظام شریعت کے قیام کا باعث ہیں۔“ ۲۱

تفسیر ملقط میں تصوف کا رنگ غالب ہے اور واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نظریہ وحدۃ الوجود کے قائل اور موید تھے اور اسی نقطہ نظر سے یہ تفسیر لکھی گئی ہے۔

ب۔ لغت اور عربی قواعد سے واقفیت:

شیخ گیسودراز کو عربی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا جس کا اندازہ ان کی تمام تصانیف اور اجازت ناموں سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر میں بھی انہوں نے اس کا خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے۔ وہ سورۃ الصافات کی آیت: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ - ۲۲

(اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور جو عمل تم کرتے ہو اس کا خالق بھی وہی ہے۔ و ما تعملون میں ما کو مصدریہ ماننے کی صورت میں یہ مفہوم ہوگا کہ تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا اور اس کو موصولہ بنانے کی شکل میں یہ ترجمہ ہوگا کہ تم کو تمہارے اعمال کے ساتھ پیدا فرمایا، اہل تحقیق اور موحدین کا یہی قول ہے۔ ۲۳

اس کے بعد انہوں نے اس تفسیر کی روشنی میں معتزلہ کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ بندوں کے اعمال کا خالق خدا نہیں ہے۔ غرض شیخ گیسودراز کی تفسیر علم و تحقیق پر مبنی ایک صوفیانہ تفسیر ہے۔ اس میں صوفیا کے اقوال کے ساتھ قدیم مفسرین، خازن، واسطی اور حریری کے اقوال بھی درج کیے گئے ہیں۔ ۲۴

۳۔ تفسیر مہائمی از شیخ علی بن احمد مہائمی

ہندوستانی مفسرین میں شیخ محمد علی بن احمد (م ۱۲۳۱ھ / ۸۳۵ھ) کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ غیر معمولی ذہانت، حیرت انگیز علمی تحریر، خداداد بصیرت اور بے مثال روحانیت کے حامل تھے۔ ان کی تصنیفات ما بعد الطبیعات، اسرار شریعت، فلسفہ و حکمت اور تصوف و معرفت کا گنج ہائے گراں مایہ ہیں۔ شخصی صفات کے اعتبار سے شیخ مہائمی بڑے زاہد و عابد، جامع علوم شریعت و طریقت اور صاحب تصرفات ظاہری و باطنی

تھے۔ ۲۵

مولانا محمد باقر آگاہ اپنی تصنیف ”فحہ العنبریہ“ میں لکھتے ہیں:

”وہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں انتہاء کو پہنچے ہوئے اور توحید و جود و علوم طریقت کے اعلیٰ یادگار تھے، استغراق و مشاہدہ ذات میں کامل اور ظاہری تصنع سے کنارہ کش تھے۔ ان سے بین کرامات، پسندیدہ خصلتیں، اور نیک صفیتیں ظاہر ہوئیں۔“ ۲۶

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان پر مراقبہ و استغراق کی کیفیت غالب تھی۔ تاہم انہوں نے تجرد کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ رشتہ ازدواج میں بھی منسلک ہوئے اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ شیخ مہائمی کی جلالت شان اور علمی تبحر کی بنا پر طالبان علم کی معتد بہ تعداد ان کے گرد اکٹھا ہو گئی تھی۔ شیخ مہائمی کی زندگی کا بڑا حصہ تصنیف و تالیف میں گزرا۔ انہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں تصوف کے حقائق سے بحث کی ہے۔

شیخ مہائمی کی مشہور تفسیری تصنیف، ”تبصیر الرحمان و تیسیر المنان بعض مابشیر الی اعجاز القرآن“ ہے جو تفسیر مہائمی کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی تفسیر چھ سو برس گزر جانے کے بعد بھی آج تک عرب و عجم میں قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

اس کی چند علمی و ادبی خصوصیات ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

اس تفسیر کا اصل موضوع نظم قرآن ہے جس میں ایک آیت کے دوسری آیت کے ساتھ تعلق اور ایک سورہ کا دوسری سورہ سے ربط و مناسبت واضح کیا جاتا ہے۔ شیخ مہائمی نے اس عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا ہے کہ کسی مقام پر سلسلہ کلام منقطع نہیں ہوتا ہے۔ شیخ مہائمی نے اس تفسیر میں نظم و ترتیب کے جو نکات بیان کیے ہیں ان کو انہوں نے محض فصل الہی کی بخشش قرار دیا ہے اور اسی احساس کے تحت انہوں نے تفسیر کا نام ”تبصیر الرحمن و تیسیر المنان“ رکھا ہے۔ چنانچہ شیخ مہائمی کے اس علمی اور قابل قدر شاہ کار کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے انہوں نے ان کے فہم قرآنی اور تحقیق نظم کی ستائش کی ہے۔

مولانا سید عبدالحی لکھتے ہیں: ”تفسیریں تو سینکڑوں لکھی جا چکی ہیں مگر جس بات سے ان کی تفسیر کو امتیاز و خصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں التزام کے ساتھ تمام قرآن پاک کی آیت کریمہ کے باہم دگر مر بوط ہونے کو ایسے دل نشیں طریقے سے بیان کیا ہے۔ جس کو پڑھ کر انسان وجد میں آ جاتا ہے اور بے ساختہ منہ سے داد نکلتی ہے۔“ ۲۷

حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ”ان للقرآن ظاهراً و باطناً و حدّاً و مطلقاً“
(قرآن کے ظاہری معنی بھی ہیں اور باطنی نکتے بھی، حلال و حرام کے مسائل بھی ہیں اور وعدہ و وعید بھی)

اور قرآن کے باطنی معانی تک نکتہ شناس ہی اپنی بصیرت کی روشنی میں پہنچ سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ بصیرت نور الہی سے مستنیر ہو۔ چنانچہ اسی اصول کی روشنی میں شیخ مہائمی نے اپنی تفسیر کا آغاز مندرجہ ذیل جملوں سے کیا ہے:

”اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے اہل خرد کے دلوں کو اپنے کلام سے منور کیا تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنی عقل سے کام لے کر صحیح راستہ پاسکیں۔“ ۲۸ شیخ مہائمی عقل کو بصر اور شریعت کو نور سے تعبیر کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر عقل کی اصلیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”عقل اگر بعض معاملات کی طرف رہنمائی کرتی ہے تو بعض مواقع پر حقائق تک پہنچنے میں حجاب اور رکاوٹ بھی بن جاتی ہے۔“ ۲۹ شیخ مہائمی اپنی تفسیر میں جگہ جگہ حقوق اللہ و حقوق العباد کی اہمیت کو مختلف انداز میں واضح کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو ان گنت احسانات فرمائے ہیں وہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم اس کی عبادت کریں، کیونکہ انسان کی تخلیق عبادت الہی اور معرفت ہی کے لیے کی گئی ہے۔ اسی طرح باہمی معاملات میں انصاف کرنا، اللہ کا حکم ہے جس کے بجالانے پر اجر و ثواب مترتب ہوگا۔“ ۳۰

وہ اس کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، چنانچہ وہ بڑے موثر اور دل نشیں انداز میں قاری کو یہ بتاتے ہیں کہ شرک جلی و خفی اور ان دونوں تک لے جانے والی تمام چیزوں سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ کا حق اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے جب کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے، اسی کے ساتھ بندوں کے حقوق بھی ادا کیے جائیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جائے مخلوق میں والدین اور اقارب کے حقوق سرفہرست ہیں۔

شیخ مہائمی ایک متدین اور متقی صوفی تھے، وہ اپنی تفسیر میں تقویٰ اور اخلاق حسنہ کے حصول پر خاص زور دیتے ہیں اور شہوات نفسانی سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ آئینہ دل ملکوتی صفات حاصل کر کے ہی صاف و شفاف رہ سکتا ہے اور یہ ملکوتی صفات مجاہدہ و ریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔

عبادت و ریاضت سے دل کی تمام بیماریاں دور ہوتی ہیں اور اسی کی بدولت قلب مشاہدہ حق سے منور، زبان ذکر الہی سے مشرف اور اعضاء خدمت انسانی سے مزین ہوتے ہیں۔ اس

ایجازِ بیان:

تفسیر مہائگی کی ایک نمایاں خصوصیات ایجاز و اجمال ہے۔ وہ مختصر جملوں میں اور اشارات کے ذریعہ آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ صرف سورۃ فاتحہ کی تفسیر انہوں نے بہت تفصیل سے لکھی ہے، اس سورۃ کی اہمیت اور فضیلت کے بیان کے بعد اس کے مختلف اسماء کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی وجوہ تسمیہ بیان کی ہیں۔ اس سورہ میں الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، سالکیت، عبادت، استعانت اور صراطِ مستقیم کی توضیح بڑی دقت نظر سے کی ہے۔

شیخ مہائگی کی تفسیر میں دوسری تفسیروں کے مقابلے میں حیرت انگیز بات یہ پائی جاتی ہے کہ اس میں ہر سورہ کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تشریح سورہ کے مضمون کو مد نظر رکھتے ہوئے نئے اور انوکھے طریقے سے کی گئی ہے۔ چنانچہ وہ سورہ فاتحہ میں بسم اللہ کی جو تشریح کرتے ہیں وہ سورہ بقرہ کی تشریح سے علاحدہ ہوتی ہے جس سے زبان و بیان پر ان کی غیر معمولی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سورۃ المائدہ میں لکھتے ہیں:

” (اللہ کے نام سے) جس نے بر بنائے اقتضاء اسماء و صفات اپنے احکام میں نرمی اور سختی دونوں رکھی ہے، (رحمن) ہے ان احکام کو دنیا و آخرت میں بندوں کے مصالح کا دار و مدار بنا کر، (رحیم) ہے، ان احکام کو اپنی محبت کا رشتہ استوار کرنے والا بنا کر جو خدا اور بندے کے ایمانی تعلق سے عبارت ہے۔“

سورہ یٰسین میں لکھتے ہیں:

” (اللہ کے نام سے) جو اپنے کمالات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ میں جلوہ گر ہے، (جو رحمان ہے) آپ ﷺ کی عالم کے لیے رحمت بنا کر، (رحیم) آپ ﷺ کو صراطِ مستقیم عطا فرما کر جس پر گامزن ہو کر آپ ﷺ سے پہلے کوئی درجہ کمال کو نہیں پہنچا۔“ ۳۲

مذکورہ بالا خصوصیات کی بنا پر تفسیر مہائگی ہر دور میں اہل علم طبقہ کا مرجع و ماخذ رہی ہے۔ چنانچہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس کے قرآنی نکات پر بحثیں کیں اور اس کے اسرار و رموز بیان کیے ہیں۔ ہندوستانی مفسرین میں علامہ طاہر سندھی نے ”مجمع البحرین“ میں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ”فتح العزیز“ میں اور مولانا محمد عمر الحسنی نے اپنی تفسیر ”کشف القلوب“ میں ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور مولانا اشرف علی تھانوی نے

بیان القرآن“ میں اور مولانا ابراہیم میرسیا لکھوٹی نے ”تفسیر واضح البیان“ میں اس کے حوالے دیے ہیں۔
عبداللہ یوسف علی نے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں اس کے قرآنی نکات درج کیے ہیں اور اس تفسیر
سے استفادہ کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے علاوہ حلقہ صوفیہ میں اور نظم قرآن کے شائقین میں اس تفسیر کی
مقبولیت ہر دور میں رہی ہے۔

۴۔ تفسیر انوار الفرقان از شیخ غلام نقش بند گھوسوی

شیخ غلام نقش بند (۱۶۴۲ء-۱۷۱۴ء) علوم دینیہ کے ساتھ عقلی علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے۔
صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے: کان من کبار الاساتذۃ لم یکن فی زمانہ اعلم منہ بال نحو و
اللغة و الاشعار و ایام العرب و ما یعلق بہا متوافراً علی علوم الحکمۃ۔ ۳۳
(وہ کبار اساتذہ میں شمار ہوتے تھے، ان کے زمانہ میں لغت، جاہلی اشعار اور ایام عرب وغیرہ کا ان
سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں تھا، علاوہ ازیں وہ علوم حکمت سے بھی بہرہ ور تھے۔)
تذکرہ نگاروں نے سلوک و عرفان میں بھی ان کو ممتاز بتایا ہے۔ سجتہ المرجان میں ہے۔
ہوا و حد الزمان و الجامع بین العلم و العرفان۔ ۳۴ (وہ یکتائے زمانہ اور علم و عرفان کے
جامع تھے)

تفسیری خصوصیات:

شیخ نقش بند کی تفسیر انوار الفرقان اور ان کے دوسرے تفسیری رسائل کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے
کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں طلبہ کو مخاطب بنایا ہے، ان کی بعض تفسیری خصوصیات کو ذیل میں پیش کیا جاتا
ہے۔

شیخ غلام نقش بند قرآن مجید کی سورتوں کے درمیان ربط و مناسبت کے قایل نظر آتے ہیں۔ جب کہ
اکثر مفسرین اس موضوع کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، چنانچہ سورہ اعراف کی تفسیر کے آغاز میں لکھتے ہیں:

وجه المناسبة بین السورتین ان خاتمة الاولى و عدو و عید و فاتحة الثانية

انذار و تذکیر و بیان اہلاک القرون الخالية و القرى الماضية۔ ۳۵

(دونوں سورتوں (انعام و اعراف) کے درمیان وجہ مناسبت یہ ہے کہ سورہ انعام کا اختتام وعدہ و وعید پر

ہوا ہے اور سورہ اعراف کا آغاز انذار و تذکیر اور اقوام ماضیہ کی ہلاکت و بربادی کے ذکر سے ہوا ہے)

جدت و ابتکار:

شیخ غلام نقش بند کا تمام تفسیری سرمایہ محض تشریح و حاشیہ نویسی تک محدود نہ تھا بلکہ انہوں نے بعض آیات کی تفسیر میں جدت و ابتکار سے بھی کام لیا ہے، سورہ آل عمران کی آیت - ”وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ“ - ۲۷ کی تفسیر میں جمہور مفسرین کے برخلاف وہ لکھتے ہیں:

”یہ احکام جہاد میں سے ایک حکم ہے، غلالتہ ایک قسم کا لباس ہے جو زرہ کے نیچے پہنا جاتا ہے، درخت کی جڑ کو جو پانی دیا جاتا ہے، اسے بھی غلالتہ کہتے ہیں۔“
الغرض، طلبہ کے لیے ایک مفید تفسیر ہے۔

۵۔ تفسیر احمدیہ از ملا جیون امیٹھوی

ملا جیون (۱۶۳۸ء - ستمبر ۱۷۱۸ء) کو تعلیم و تدریس سے خاص مناسبت تھی۔ زمانہ درس و تدریس سے ان کو تصوف و سلوک سے بھی دل چسپی تھی۔ چنانچہ وہ صوفیہ کے مختلف سلسلے نقش بندی، چشتی اور قادری بزرگوں کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور ان سے اور ادو وظائف کی تعلیم لیتے تھے۔ اپنے استاد شیخ محمد صادق سترکھی سے قادری سلسلہ میں بیعت ہو گئے اور ان سے اجازت بھی حاصل کی۔ ملا جیون کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، ان کے بیان کے مطابق ان کے کئی شعری مجموعے تھے مگر اب ان میں سے کوئی دست یاب نہیں ہے۔

التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ:

ملا جیون کی مشہور تفسیری تصنیف ہے، جو تفسیر احمدی کے نام سے بھی مشہور ہے، مگر یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ اس میں صرف احکامی آیات کی توضیح کی گئی ہے۔ خاص طور پر ان آیتوں سے زیادہ اعتنا کیا گیا ہے جن سے فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ تفسیر کی ترتیب قرآن مجید کی سورتوں کے مطابق ہے۔ آیات کی تشریح میں ان کے نزول کا پس منظر بھی بیان کیا ہے، الفاظ کی لغوی تحقیق اور فقہی مباحث میں فقہ اور علم کلام کی اہم کتابوں کی روشنی میں منطقیانہ استدلال کیا ہے اور حنفی نقطہ نظر کو نمایاں کر کے پیش کیا ہے۔ زبان و بیان دل کش و دل آویز ہے۔ جمع و توانی کی رعایت کے باوجود ادائے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوا ہے۔ ملا جیون کی تفسیر میں فقہی مباحث کے ساتھ ساتھ کئی دیگر نادر علمی نکات بھی موجود ہیں۔

سورہ بقرہ کی آیت:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ
آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ
ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ
وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي
الْبُاسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُونَ﴾ ۳۷

کی روشنی میں ملا جیوں نے ایمان مفصل اور احکام اسلام کی تشریح کرنے کے بعد لکھا ہے:
”میرے خیال میں انبیاء کو جمع مذکر سالم کے صیغہ میں ذکر کرنے سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ کوئی
عورت کبھی نبی نہیں ہوئی۔ بلکہ تمام انبیاء مرد تھے اور اس سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوتی ہے جو چار
عورتوں، حوا، سارہ، ام موسیٰ اور ام عیسیٰ کو نبی مانتے ہیں۔“ ۳۸

خلاصہ بحث:

تصوف دین کا اہم شعبہ ہے، جس کی ٹھوس علمی بنیادیں قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ تفسیر قرآن کے
سلسلے میں جہاں اہل علم کے ہاں کئی مناہج موجود ہیں، وہاں ایک منہج صوفیانہ تفسیر کا بھی ہے، جس میں ایک صوفی
کلام الہی کی ظاہری تفسیر جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد ہے کو محور و مرکز بناتے ہوئے ایسے علوم و معارف بیان
کرتا ہے جو مطالعہ قرآن کے دوران اس کے قلب پر منکشف ہوتے ہیں۔ یہ معارف ان کے وجدانی
استنباطات کا ثمر ہیں۔ صوفیا کی تفاسیر جہاں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں اور علم تفسیر میں ایک خاص پہلو کی نشان
دہی کرتی ہیں، وہاں یہ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کا ذریعہ بھی ہیں۔ یہ تفاسیر بہت سے علمی محاسن و کمالات سے
مزین ہیں۔ صوفیا کا تفسیری کام تمام شعبہ حیات علمیہ و عملیہ کو اپنے اندر محیط کیے ہوئے نظر آتا ہے۔ میدان
دعوت و اصلاح میں صوفیا انسانی زندگی کی ہر ضرورت و حاجت کے قرآنی اور اسلامی حل کو اپنے مواظ اور کتب
میں پیش فرماتے ہیں اور اپنی مجددانہ شان کے ساتھ امت کی اصلاح میں مصروف نظر آتے ہیں۔ علمی میدان
میں یہ تفاسیر گزرے ہوئے معروف مفسرین کی تفاسیر کا مجموعہ نظر آتی ہیں۔ تفسیر ملقط از گیسو دراز میں صوفیا کے
اقوال کے ساتھ قدیم مفسرین، خازن، واسطی اور حریری کے اقوال درج کیے گئے ہیں۔

ان تفاسیر میں عربی اصول و قواعد کا خاص خیال رکھا گیا ہے، اسلوب عمدہ اور دل نشیں ہے۔ ان کی

زبان سلیس اور سہل ہے، تاکہ قرآن کریم کو ایک عام قاری بھی آسانی سے سمجھ سکے اور اس کے مفہام اس کے دل و دماغ میں راہ پا سکیں، اکثر مفسرین نے سورت کا زمانہ نزول، تعداد آیات، تعداد الفاظ و حروف اور سورت کے مضامین بیان کیے ہیں۔ کلامی استدلال اور منطقی دلائل میں غلو نہیں کیا گیا، مسائل فقہ کا استنباط موجود ہے تاہم فقہی احکام کا بالعموم کم ذکر کیا گیا ہے، احادیث و آثار سے استفادہ کا رجحان موجود ہے تاہم ضعیف آثار نقل کرنے سے گریز نہیں کیا گیا۔ علوم قرآن کی طرف زیادہ توجہ مبذول نہیں کی گئی۔ تزکیہ، اخلاق و تصوف اور احسان و سلوک کے مسائل ان تفاسیر کا نمایاں ترین موضوع ہیں، اور یہ مکتب تصوف کی ترجمانی اور تشریح کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں، البتہ بعض تفاسیر بدعات و باطنی آراء و افکار سے بھی آلودہ ہو گئی ہیں۔

الغرض یہ کہ صوفیا کی تفاسیر استدلالی اذہان کے لیے سکون و اطمینان اور انشراح قلب کا ذریعہ ہیں۔ عصری تقاضے بھی ان نکتہ وروں سے اوجھل نہ تھے۔ ان تفاسیر کا ورق و ورق گواہ ہے کہ قرآن مجید کی روشنی ہر کس جلوے دکھاتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

- ۱- الشمس: ۹
- ۲- بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب سنو ال الجبریل، رقم الحدیث: ۳۸
- ۳- تھانوی: تعلیم الدین، ص: ۱۵۱ ۳- النازعات: ۱۷
- ۵- عارف عمری: تذکرہ مفسرین ہند، دار المصنفین اعظم گڑھ، انڈیا، ۲۰۰۶ء، ص ۱
- ۶- عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، دائرة المعارف، حیدرآباد، ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء، ص: ۲۰۳
- ۷- نظام الدین کاظمی: مقالہ ”تفسیر کاشف الحقائق کا تادیر مخطوط“ ماہنامہ برہان، ج: ۶، ص: ۳۷۵-۳۷۶
- ۸- نظام الدین کاظمی: حوالہ سابق، ص: ۳۷۶ ۹- حوالہ سابق
- ۱۰- قدوائی، ڈاکٹر محمد سالم: ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ مدینہ، ۱۹۷۳ء، ص: ۲۶
- ۱۱- محمد علی سامانی: سیر محمدی، یونانی دواخانہ پریس، الہ آباد، ص: ۱-۲
- ۱۲- عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، مطبع ہاشمی، میرٹھ، ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء، ص: ۲۳، اور مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ج: ۱، شہر ہند پریس، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء، ص: ۳۸۱
- ۱۳- ایضاً: ص: ۸ ۱۳- ایضاً: ص: ۱۰
- ۱۵- محمد علی سامانی: ص: ۱۰-۱۱
- ۱۶- عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ج: ۳، ص: ۱۶۱، مکتبہ اشرفیہ، ملتان، ۱۹۹۳ء

- ۱- سید صباح الدین عبدالرحمن: بزم صوفیہ، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء، ص: ۵۵۸ و بعد
- ۱۸- سیر محمدی باب ششم میں آپ کے خاندانی احوال تفصیل سے بتائے گئے ہیں۔
- ۱۹- سخاوت مرزا: ص: ۵۸۷، مقالہ ”گیسودراز“ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱، لاہور، ۱۹۷۸ء
- ۲۰- حجر: ۱۹
- ۲۱- ڈاکٹر محمد سالم قدوائی: ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ص: ۳۳۳، بحوالہ مخطوط کتب ناصرہ، ورق ۶۱
- ۲۲- الصافات: ۹۶ - ۲۳ - شیخ گیسودراز: شرح آداب المریدین، ص: ۲۶
- ۲۴- عمری: تذکرہ مفسرین ہند، ص: ۲۷
- ۲۵- امام الدین گلشن آبادی: برکت الاولیاء، بمبئی، ص: ۳۶
- ۲۶- بحوالہ نواب عزیز یار جنگ: تاریخ النواظ، حیدر آباد دکن، ۱۹۰۴ء، ص: ۳۶۰
- ۲۷- عبدالحی لکھنوی: یادایام، دائرۃ المعارف، حیدر آباد، ص: ۵۹
- ۲۸- شیخ علی مہائمی: تفسیر، ۲۵/۱ - ۲۹ - ایضاً: ۴۰۲/۲
- ۳۰- ایضاً: ۲۴/۱ - ۳۱ - شیخ مہائمی: تفسیر، ۳۵/۱
- ۳۲- ایضاً: ۲۴/۱ - ۳۳ - عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ۳۱۲/۶
- ۳۴- آزاد بلگرامی، سجدہ المرحان، ۲۰۱/۱
- ۳۵- اسٹوری: بحوالہ عارف عمری: تذکرہ مفسرین ہند، ص: ۱۱۵
- ۳۶- آل عمران: ۱۶۱ - ۳۷ - البقرہ: ۱۷۷
- ۳۸- ملا جیون: التفسیرات الاحمدیہ، ص: ۴۱

مصادر و مراجع

- ☆ آلوسی، سید محمود: روح المعانی، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۷ء
- ☆ اقبال الدین احمد: تذکرہ خواجہ گیسودراز، اقبال پبلشرز، کراچی، ۱۹۶۶ء
- ☆ امین الدین: صوفیانہ نقشبند، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۳ء
- ☆ شارب، ظہور الحسن: تذکرہ اولیائے پاک و ہند، لاہور
- ☆ لکھنوی، عبدالحی: نزہۃ الخواطر، مکتبہ اشرفیہ ملتان، ۱۹۹۳ء
- ☆ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، دہلی، ۱۹۸۳ء
- ☆ عمری، عارف: تذکرہ مفسرین ہند، دار المصنفین، اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء

